© rasailojaraid.com


بڑی قابلِ تعریف ہے۔ ضرورت ہے کہ اس کتاب کو عربی ملکوں کے کتب خانوں میں بھجوایا جائے۔ یہ ہمارے ملک کی علمی و تصنیفی زندگی کے لیے بہت اچھا ذریعہ تعارف ہوگی۔

## مشاہد التوحید

اس کتاب کے مصنّف جناب ملک حسن علی صاحب ہیں۔ ۱۹۲۰ء میں خلافت اور برطانوی حکومت سے عدم تعاون کی جو تحریک چلی تھی، اُس کی سب سے زیادہ قابلِ ذکر خصوصیت یہ تھی کہ اس میں حصہ لینے والے کیا نوجوان طالب علم اور کیا عوام اور بڑی عمروں کے خواص، مذہبیت میں ڈوبے ہوئے تھے۔ عملاً بھی یعنی عبادات مذہبی کو ادا کرنے میں اور عقیدتاً بھی یعنی دینِ اسلام سے گہری قلبی محبت اور وابستگی رکھنے میں کالجوں کے وہ نوجوان طالب علم جو مولانا محمد علی اور مولانا ابوالکلام آزاد اور دوسرے زعما کی دعوت کو لبیک کہتے ہوئے اس تحریک میں شریک ہوئے اور انھوں نے "سرکاری کالجوں" کو چھوڑا تو ان کی ساری زندگی مذہبی رنگ میں رنگی گئی۔ ان میں سے اکثر نہ صرف پنج وقتہ نمازوں کے پابند ہو گئے۔ بلکہ وہ تہجد بھی پڑھنے لگے۔ ان نوجوان طالب علموں پر اس تحریک نے ایک عجیب کیفیت طاری کر دی تھی۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ ایک گم شدہ چیز تھی، جس کی تلاش میں وہ عرصے سے سرگرداں تھے۔ ۱۹۲۰ء میں یہ تحریک جو شروع ہوئی تو گویا اُن کے ذریعہ انھیں وہ چیز مل گئی۔ اور یہ چیز تھی اسلام بطور ایک عقیدے اور لائحہ حیات کے۔ ملک حسن علی صاحب اسلامیہ کالج لاہور کے ان طالب علموں میں سے ہیں، جنھوں نے ۱۹۲۰ء میں سرکاری تعلیم کو خیرباد کہا اور اس تحریکِ عدم تعاون میں شریک ہوئے۔ اس تحریک نے بہت سے نوجوان طالب علموں کو اپنی طرف کھینچا تھا۔ لیکن اس سلسلے میں ملک صاحب کا خصوصی امتیاز یہ ہے کہ انھوں نے اس پچاس سال کی طویل مدت میں عقیدہ و عمل کا وہ دینی جذبہ برابر قائم رکھا جس کے ماتحت اُنھوں نے ۱۹۲۰ء میں اِسلامیہ کالج لاہور چھوڑا تھا۔

فاضل مصنّف اپنے ہم وطن بزرگ حضرت میاں شیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ شرقپوری سے گہری عقیدت رکھتے ہیں اُن سے پہلی بیعت کرنے کے ساتھ ساتھ توحید کے اثبات اور بدعات و شرک کے رد میں امام ابنِ تیمیہ اور حضرت مجدد الف ثانیؒ سے بھی بہت متاثر ہیں اور انھوں نے اپنے ان خیالات کی اشاعت کو زندگی کا مقصدِ اوّلین بنا لیا ہے، چنانچہ اس سے پہلے اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



غرض سے موصوف نے حضرت مجدد کے مکتوبات کا انتخاب "تعلیمات مجددیہ" کے نام سے کیا اور اسی سلسلہ کی یہ دوسری کتاب "مشاہد التوحید" ہے۔ یہ توحید اور اس کے متعلقات کے بارے میں تبلیغی مضامین کا مجموعہ ہے جو مختلف اوقات میں قلم بند ہوئے۔

ملک صاحب کے نزدیک اسلام کی اساس توحید ہے۔ اور ان کے خیال میں اگر اس میں کوئی کمزوری یا گڑبڑ واقع ہوتی ہے تو اس سے پوری اسلامی زندگی خطرے میں پڑ جائے گی۔ زیر نظر کتاب میں موصوف نے اسی مسئلہ کو قرآن و حدیث اور مفسرین اور فقہا کے اقوال کی مدد سے واضح کیا ہے۔

اس موضوع کے علاوہ حج پر بھی ایک طویل مضمون ہے۔ لیکن پوری کتاب میں شروع سے لے کر آخر تک توحید پر زور ہے۔ اور اس کی تائید اور تشریح میں دوسرے آئمہ اور علما کے علاوہ امام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد امام ابن قیم کے اقتباسات زیادہ دیے گئے ہیں۔

مشہور مفسر قرآن علامہ سید محمود آلوسی بغدادی کا "مشاہد التوحید" میں ایک اقتباس دیا گیا ہے۔ موصوف لکھتے ہیں :-

"۔ ۔ ۔ ایسے زمانے کے بارے میں جس میں ہر طرف جہالت کے جھگڑے چل رہے ہیں اور ضلالت کی موجیں امڈ رہی ہیں۔ صرف اللہ ہی کی جناب میں شکایت ہے شریعت کی کشتی ٹوٹ پھوٹ گئی ہے اور غیر اللہ سے فریاد کو ذریعہ نجات قرار دے دیا گیا ہے۔ اور حالات اس قدر نازک ہو گئے ہیں کہ اہل علم کے لیے امر بالمعروف دشوار ہو گیا ہے اور نہی عن المنکر کے راستے میں ہلاکتوں کے پہاڑ حائل ہو گئے ہیں"

یہ بغداد اور عراق کا ذکر ہے۔ اور آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے کا ہمارے ہاں کے علمائے کرام اور دعوت توحید دینے والوں کو بھی اسی قسم کی شکایت تھی اور اب بھی ہے۔ لیکن کیا اس کا کوئی سدِ باب ہوا ؟

اس میں شک نہیں کہ "مشاہد التوحید" کی طرح کی کتابوں کی ضرورت ہے اور ملک صاحب نے یہ کتاب شائع فرما کر اصلاحِ عقائد و اعمال کے سلسلے میں بڑی خدمت کی ہے۔ لیکن واقعہ یہ ہے جب تک ہم اپنی تعلیم اور معاشرے میں صحیح سائنسی روح کو اس کا حقیقی مقام نہیں دیتے، توحید کی نظری بحثوں سے بدعات کا خاتمہ ہونا مشکل ہے۔ بدعات کا معاشرے کے ساتھ ایک ترکیبی و نامیاتی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com



(ORGANIC) تعلق ہے جب تک معاشرے کو تبدیل کرنے کی کوشش نہیں ہوتی، بدعات کا استیصال آسان نہیں۔

## ہمارا قدیم نظامِ تعلیم اور جدید تقاضے

قیامِ پاکستان سے قبل مغربی پاکستان میں قدیم نظامِ تعلیم پر عامل عربی و دینی دار العلوم نہ اتنی زیادہ تعداد میں اور نہ اتنے وسیع پیمانے پر تھے۔ ان تیئیس سالوں میں مغربی پاکستان میں ان دار العلوموں کا ایک جال سا بچھ گیا ہے اور یہ برابر پھیلتا جا رہا ہے۔ ان دار العلوموں کے متعلق دو سوال قوم کے بہی خواہوں کو پریشان کیے ہوئے ہیں۔ ایک یہ کہ یہ دار العلوم کسی عمومی نظام یا ضابطے میں منسلک نہیں اور مشہور محاورے کے مطابق ہر مدرسہ یا دار العلوم اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد بنا کے بیٹھ گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہے جیسا کہ مرکزی جمعیت اہلِ حدیث مغربی پاکستان کے سابق امیر مولانا محمد اسماعیل صاحب مرحوم نے ۱۹۶۴ء میں لائل پور میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا تھا :-

"... ہماری ہونے والی پود اور دینی مدارس کے نوآموز نوجوان تعلیمی انتشار اور بدنظمی کے موجب ہو رہے ہیں۔ وہ دیہات میں چھوٹے چھوٹے مدارس کھول رہے ہیں، جن کا نہ صرف یہ کہ باہم ربط نہیں بلکہ رقابت ہے۔ باہم آویزش ہے۔ تعلیمی ترقی کے بجائے یہ مدارس معاشی جنگ کی آماجگاہ بن گئے ہیں۔ یہ حضرات جماعت کی جیب پر بوجھ ہیں، اور باہم رقابت اور بدنظمی کی وجہ سے مُضر ثابت ہو رہے ہیں۔"

دوسرا پریشان کن سوال ان عربی مدارس کے نظامِ تعلیم کا ہے، جو نہ آج کی دینی ضرورتوں کو پورا کرتا ہے نہ دنیوی ضرورتوں کو۔ اس کا احساس ہمارے بزرگوں کو تقریباً ایک صدی قبل ہو گیا تھا جس کے تحت ندوۃ العلما کی تحریک شروع کی گئی تھی۔ ۱۸۹۴ء میں مولانا حالی نے اس سلسلے میں اپنے ایک مضمون میں جو ندوۃ العلما کے اجلاس میں پڑھا گیا، چند مفید تجاویز پیش کی تھیں، اور جن پر اب تک عمل نہیں ہو سکا۔ مثلاً انھوں نے عربی مدارس کے نصاب میں تاریخ و جغرافیہ، ریاضی اور ہیئتِ جدید کو داخل کرنے کی تجویز کی تھی۔ لیکن ان مدارس کے نصابِ تعلیم اب تک ان مضامین سے معرا ہیں۔ ان سالوں میں تو علوم و فنون میں حیرت انگیز ترقی ہو گئی ہے۔ اس لیے اب تو ہمارا قدیم نظامِ تعلیم اور بھی زیادہ اصلاح و تبدیلی چاہتا ہے۔ لیکن افسوس نہ ہمارے عربی دار العلوم اپنے ہاں کے نظامِ تعلیم

© rasailojaraid.com